© rasailojaraid.com

اسلام کی نظر میں عورت کا مقام

شہزادا اقبال شام

انسان کو زندہ رہنے اور زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے بے شمار اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان تمام اشیاء کی فراہمی اکیلے انسان کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا ایک خاموش عمرانی معاہدے کے تحت خود بخود ضرورت کے مطابق تقسیم کار کا عمل وجود میں آ جاتا ہے۔ بعض دفعہ یہ تقسیم کار انسان کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے مطابق واقع ہوتا ہے۔ اس قسم کی ابتدائی، سب سے بڑی اور اہم ترین تقسیم کار عورت اور مرد کے مابین عمل میں آئی ہے۔ یہ تقسیم قدرت کے جبری فطرتی نظام کے تحت وجود میں آتی ہے۔ قدرت نے مرد اور عورت کو جو فطری صلاحیتیں عطا کی ہیں وہ زندگی کے معاملات میں ان دونوں کے دائرہ کار کو متعین کرتی ہیں۔ یہ فطری صلاحیتیں ان کے جسمانی نظام کے ایک ایک خلیے تک میں فرق کا باعث ہیں۔ مرد اور عورت کے مابین قدرت نے فطری تقسیم کار کا جو نظام قائم کیا ہے اس کے تحت عورت آئندہ نسلوں کے توالد و تناسل اور پرورش کا کام کرتی ہے اور مرد اس کے قیام و تحفظ کا کام انجام دیتا ہے۔ ان دونوں کاموں کا دائرہ انتہائی وسیع ہے، یہاں تک کہ زندگی کو ان دونوں دائروں نے باہم تقسیم کر رکھا ہے۔ عورت اور مرد میں سے جو کوئی اپنے اس فطری دائرے سے باہر نکلے تو فطرت اسے فطری انداز میں سزا دیتی ہے اور اگر کوئی ملک و معاشرہ اس دائرے سے اجتماعی طور پر بغاوت کرے تو قانون فطرت اغماض نہیں برتتا، انفرادی گناہوں سے چشم پوشی کسی حد تک ممکن ہے۔

توالد و تناسل اور پرورش کے سلسلے میں عورت کا کام انتہائی مشکل لیکن نازک ترین ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو عورت سے ہمہ وقتی مصروفیت چاہتا ہے۔ عورت کا جسم اور ذہن ایک خاص ساخت کے مطابق پیدا کیا گیا ہے جو ہر ماہ بلکہ ہر لحہ بڑھاپے تک مسلسل مخصوص اعمال اور وظائف کے سلسلے میں سرگرم عمل رہتا ہے۔ عورت کوئی دوسرا کام کرے جو مرد کے دائرہ کار میں شامل ہو تو عورت کے اس پیچیدہ نظام اور مخصوص وظائف میں خلل پڑتا ہے اور عورت مختلف جسمانی و ذہنی عوارض کا شکار بن جاتی ہے اور اس کے خاندانی نظام میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بچوں کے

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جسمانی و ذہنی نظام میں بھی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دراصل توالد و تناسل اور پرورش کا تھکا دینے والا عمل سست لیکن طویل ہوتا ہے، کم وقت کا متقاضی لیکن صبر آزما ہوتا ہے۔ اس میں محبت والفت کے گوناگوں جذبات سے بھرپور خلوص مسلسل کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نازک لمس اور معصوم جذبات کے پرجوش اظہار کا حامل ہے۔ جنین کے لوازم اور نوزائدہ بچے کی جسمانی ضروریات سے لے کر اس کے جوان ہونے تک کی تمام نفسیاتی ضرورتوں کو عورت کی ذات میں ماں کی صورت میں پورا کر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مرد کے لئے اسے دلآویزی اور دلربائی کا حسین شاہکار بنا دیا گیا تاکہ بیوی کی صورت میں اس کی رفاقت کی خاطر مرد اولاد کے لئے ہر قسم کے دکھ جھیلنے پر آمادہ رہے۔ عورت کو بچے اور بچے کے والد دونوں کے لئے باعث کشش بنانے کے لئے فطرت نے اسے جو پیچیدہ قوتیں، نازک صلاحیتیں اور صفات عطا کی ہیں ان کی وجہ سے اسے خصوصی اور استثنائی سلوک کی ضرورت ہے تاکہ یہ قوتیں، صلاحیتیں اور صفات اپنی پوری حد عمل تک کارآمد رہیں اور ان میں ضعف نمودار نہ ہو۔ اس استثنائی سلوک کے بغیر عورت اپنا فطری کردار ادا نہیں کر سکتی اور نہ اس کردار کے لئے عطا کی جانے والی ضروری صلاحیتیں اور نزاکتیں برقرار رکھ سکتی ہے۔ اور اگر اسے اپنے دائرہ کار سے باہر یا مرد کے دائرہ کار میں کام کرنے پر لگا یا جائے تو اس کی یہ نازک فطری صلاحیتیں ماند پڑ جائیں گی اور وہ فطرت کے تقاضوں کے مطابق کام نہ کر سکنے کی وجہ سے ایک مکمل عورت باقی نہیں رہتی بلکہ کوئی اور صنف بن جاتی ہے۔ اگرچہ دیکھنے میں وہ عورت ہی نظر آتی ہے۔ چنانچہ عورت کا فطری دائرہ کار گھر کے اندر کا دائرہ ہے۔ گھر سے باہر سے متعلق امور کے بارے میں عورت سے اول تو کوئی تقاضا نہیں کیا گیا اور اگر کیا گیا ہے تو محدود اور استثنائی پیمانوں کے مطابق۔

اس کے مقابلے میں مرد کو عورت اور اولاد کے لئے قیام و تحفظ کے سلسلے میں شدید اور سنگین جدوجہد کرنے کے قابل بنایا، اسے جفاکشی اور کرختگی کے لوازم عطا کئے گئے جو اس کے دائرہ کار کے لئے ضروری تھے۔ یہ دائرہ کار گھر سے باہر کا دائرہ ہے۔

جب مرد اور عورت کا فطری دائرہ کار متعین کر دیا گیا تو بیرونِ خانہ امور یعنی مرد کے دائرہ کار کے اندر مختلف امور کے لئے مرد کو متعین کر کے وہاں عورت کی حیثیت استثنائی رکھی، جبکہ عورت کو دائرہ کار کے اندر کے امور کے لئے عورت کو متعین کر کے وہاں مرد کی حیثیت استثنائی رکھی۔ یہ فرق یوں تو کئی امور میں واضح نظر آتا ہے لیکن شہادت کے سلسلے میں یہ فرق زیادہ نمایاں ہے۔

حد یعمل فی الارض خیر لاھل الارض من ان یمطروا اربعین صباحا ☆ الحدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفصیل آئندہ سطور میں ملاحظہ کیجئے۔

اسلام دین فطرت ہے، اس لئے اس نے عورت اور مرد کا دائرہ کار وہی رکھا ہے جو فطرت نے رکھا ہے اور جس کی طرف دونوں کے اعضاء اور ان کی صلاحیتیں زبان حال سے رہنمائی کر رہی ہیں۔ اسلام کے متبعین کو جہاں کہیں غلبہ حاصل ہوا، انہوں نے مرد اور عورت کے فطری دائرہ کار کے مطابق ان میں تقسیم کار کا نظام قائم کیا اور دونوں کی ذمہ داریوں میں قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں توازن رکھا۔

دنیا کا سیاسی اقتدار اعلیٰ جب تک مسلمانوں کے پاس رہا، انہوں نے دنیا کی عملی سیادت میں اپنا کردار ادا کیا، حکومت بنائی، اور دنیا کی تاریخ پر اپنے نقش رقم کیے تو ان کی حدود سلطنت میں کبھی یہ سوال نہیں اٹھا کہ اسلام میں عورت کے حقوق کس قدر ہیں۔ ایک مسلمان مؤرخین ہی پر کیا موقوف، اسلامی دنیا کی تاریخ مرتب کرنے والے غیر مسلم مؤرخین کی تحریریں دیکھ لیجئے، عورت کی جداگانہ حیثیت کی بناء پر کسی بھی دور میں سوال نہیں اٹھے کہ عورت کے حقوق کیا ہیں؟ باپ کی وراثت میں اس کا حصہ بھائی کے مقابلے میں نصف کیوں ہے؟ کن وجوہ کی بناء پر بعض معاملات میں اس کی گواہی معتبر نہیں؟ عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں نصف ہے تو کیوں؟

پھر ایسے بھی نہیں ہے کہ خدانخواستہ یہ سوالات یا ان پر مبنی جدل و مناظرے کی کیفیت تو کہیں پر موجود رہی ہو لیکن یہ ساری باتیں تاریخ کے صفحات پر جگہ نہ پا سکیں یا یہ کہ چونکہ مؤرخین سب کے سب مرد حضرات تھے، اس لئے انہوں نے عورتوں سے فطری تعصب کی بناء پر یہ مسائل دانستہ قلم بند نہیں کئے۔ ایسے ہرگز نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے سیاسی دورِ اقتدار میں عورت اور مرد میں حقوق کی تقسیم کے اعتبار سے کبھی کوئی سوال سامنے ہی نہیں آیا۔

آج بھی صحافتی و اخباری حلقوں اور دین کے بارے میں سطحی معلومات رکھنے والے اصحاب سے قطع نظر ایک لمحے کے لئے اسلامی معاشرے پر نظر دوڑائیے۔ کبھی ایسے نہیں ہوا کہ کسی گھر کے دو تین بھائیوں نے مل کر اپنی بہنوں کے خلاف عورت اور مرد کے حقوق کے نام پر کوئی محاذ قائم کیا ہو جس میں باپ نے اپنے بیٹوں کی طرف داری کی ہو اور ماں نے عورت ہونے کی وجہ سے اپنی بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی ہو۔ ہمارے معاشرے میں یوں بھی کبھی نہیں ہوا کہ عورتیں تمام معاملات میں عورتوں کو ترجیح دیں اور مرد ہر قیمت پر عورتوں کی مخالفت کریں۔

(فقہ المعاملات پر اپنی نوعیت کا پہلا علمی و تحقیقی مجلہ آپ کے ہاتھ میں ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی اقتدار اعلیٰ کھو جانے سے مسلمانوں کی روزمرہ زندگی میں جہاں بہت سے پہلوؤں میں ضعف آیا، وہاں سیاسی اعتبار سے وقت کی بالا قوت (Super Power) کا رعب بھی دلوں میں لاشعوری طور پر بیٹھ گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس بالا سیاسی قوت کے ہر جائز و ناجائز کام کو درست سمجھ لیا گیا۔ تاریخی، معاشرتی اور دیگر عوامل کے باعث، ترقی یافتہ غیر مسلم معاشروں میں کسی لادین نظریے کی کونپل نمودار ہوئی تو مسلمان دانشور بھی اس کی آبیاری میں بلا سوچے سمجھے دوسروں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ کہیں غیر مسلم معاشرے میں سائنسی علوم نے فروغ پایا تو اس کے منطقی اسباب پر غور کر کے اپنے معاشرے کے لئے نئی جہت متعین کرنے کے بجائے ان معاشروں میں پائے جانے والے مادر پدر آزاد رویوں کو سائنسی ترقی کی وجہ قرار دیا کہ چونکہ ان معاشروں میں گھٹن نہیں، عورت اور مرد شانہ بشانہ کام کرتے ہیں، مذہبی پابندیاں اور پردہ وغیرہ نہیں ہیں، لہٰذا وہ ممالک ترقی کے بامِ عروج پر ہیں۔

حالانکہ اگر یہی وجوہ ہوتیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہی عوامل سے معمور کئی اور معاشرے ترقی کے اس زینے تک کیوں نہ پہنچ سکے جس پر ستاروں پر کمندڈالنے والی قوم جا کر فائز ہو چکی ہے، درآنحالیکہ وہ معاشرے اپنے آزاد رویے میں اس سے کہیں آگے ہیں اور افریقہ کے تاریک براعظم میں بسنے والی مخلوط اور ہر طرح کی پابندیوں سے آزاد قومیں کیوں ترقی نہیں کر سکیں؟ اور پھر اس پر بس نہیں، یہ سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ وہ اقوام جو ماضی میں سائنسی اعتبار سے دنیا کی امامت کر چکی ہیں، کیا ان میں بھی وہی مادر پدر آزادی، عورت مرد کی بے لگام برابری، آزادانہ اختلاط مرد و زن اور پردے کا عدم وجود پایا جاتا تھا، جواب نفی میں ہے۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی سائنسی علوم پر لکھی ہوئی کتابوں سے یورپ کی بے نور جامعات تین سو سال تک مستنیر ہوتی رہیں۔ دوسری طرف اس عرصے میں مسلمانوں میں تمام اسلامی معاشرتی آداب، مقتضیات اسلام، پردہ، اختلاط مرد و زن سے گریز اور اسلامی معاشرت کا عکس بڑی آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مادی اور سائنسی ترقی کا تعلق عورت اور مرد کی برابری سے نہیں بلکہ کچھ اصول سے ہے جن پر عمل کرنے سے دنیا کی کوئی بھی قوم بامِ عروج پر پہنچ سکتی ہے۔

عورت اور مرد کے تعلق پر مبنی یہ تمام سوالات علومِ اسلامیہ کے ماہرین، سلیم الفطرت اصحاب فکر اور راسخ العقیدہ مسلمانوں پر بالکل واضح ہیں۔ ان کے نزدیک کبھی یہ سوال ہی نہیں رہا کہ

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعیؒ) ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عورت کی گواہی بعض معاملات میں کیوں معتبر نہیں ہے؟ ان کی سوچ کا رخ کبھی اس طرف نہیں مڑتا کہ باپ کی وراثت میں بیٹی کا حصہ بھائی کے مقابلہ میں نصف کیوں ہے؟ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر کسی ایک معاملے میں عورت کی گواہی معتبر نہیں ہے تو کسی دوسرے معاملے میں مرد کی گواہی کا سرے سے امکان ہی نہیں ہے۔ انہیں علم ہے کہ بحیثیت بیٹی اگر عورت باپ کی وراثت میں بھائی کے مقابلے میں نصف کی حق دار ہے تو بعض حالات میں بحیثیت بہن، بھائی کی جائیداد میں مرد کی طرح برابر حصہ پاتی ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو تمام معاشی ذمہ داریوں سے بری الذمہ قرار دے کر اس پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ لہٰذا وراثت میں اگر اس کا حصہ کم ہے تو دوسری طرف اس پر کوئی بار بھی نہیں ہے۔

عصر حاضر میں کہ جب مسلمانوں کی سیاسی قیادت متحد نہیں ہے۔ اس لئے صنعت و حرفت کی معمولی اشیاء سے لے کر زندگی گزارنے کے لئے بہت سے افکار و نظریات بھی مغربی طرزِ حیات سے لینے کا رجحان مسلم معاشروں میں عام پایا جاتا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی بدقسمتی ہے کہ ملکی امور طے کرنے والے بیشتر شعبوں کی باگ دوڑ ایسے افراد کے ہاتھوں میں ہے جنہیں دین کا زیادہ علم نہیں ہے لیکن وہ خود کو ہر معاملے میں عقل کل سمجھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

اس باب میں کوشش کی جائے گی کہ عورت کے بارے میں اسلام کے وہ احکام جلی انداز میں پیش کئے جائیں جو بظاہر تہذیب مغرب کی چکا چوند تعلیمات سے متصادم نظر آتے ہیں۔ یہ بھی کوشش کی جائے گی کہ جدید زبان میں ''روشن خیال'' کہلانے والے طبقے کے افراد پر یہ واضح کریں کہ اسلام کے مختلف احکام کئی دوسرے عوامل کو مدنظر رکھتے ہوئے نازل کئے گئے ہیں اور جہاں عورت کی حیثیت بظاہر کم نظر آتی ہے وہاں حقیقت میں ایسے نہیں ہے بلکہ سمجھنے کی نیت سے کئے گئے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ عورت کی ذہنی اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے وہی درست ترین حکم ہے جو بعض افراد کے نزدیک عورت کی حیثیت کو بظاہر کم تر کرتا ہے۔

اسلامی معاشرے کی دو اہم خصوصیات:

اسلامی معاشرے کا معروضی انداز میں مطالعہ کیا جائے تو دو باتیں بطور خاص سامنے آتی ہیں جو اس کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں (محدث ابوزرعہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلی خصوصیت:

اولاً یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ احکامِ الٰہی کے نزول میں عورت سے متعلق احکام مرد کے مقابلہ میں قطعاً جدا ہیں۔ مرد کے اپنے خاص فقہی و قانونی حقوق تو مسلم ہیں۔ اسی طرح عورت کے بارے میں مَالَهَا اور مَاعَلَيْهَا پوری تفصیل کے ساتھ بتا دیا گیا لیکن احساس ہوتا ہے کہ اس سے آگے بڑھ کر عورت کو مرد کے مقابلہ میں کچھ زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ عورت کہاں کہاں مرد کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے۔

سب سے پہلے ہم معاشرے کی ایک چھوٹی اکائی سے اپنے مطالعے کا آغاز کرتے ہیں۔ یہ اکائی گھر ہے۔ کسی گھر میں عورت کی چار بنیادی حیثیتیں ماں، بیٹی، بہن اور بیوی ہو سکتی ہیں۔

اسلامی معاشرے میں ماں کا کردار کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے اور ماں کے کردار پر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس میں کسی قسم کا اضافہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہاں پر ہم ایک حدیث کا تذکرہ کرتے ہیں جس سے ماں باپ کے حقوق کا تعین ہوتا ہے اور پتا چلتا ہے کہ ماں کے حقوق باپ سے تین گنا زیادہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ ہمارے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون حقدار ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ماں'' سوال کرنے والے نے عرض کیا۔ اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا ''تیری ماں'' عرض کیا اس کے بعد؟ فرمایا ''تیری ماں'' اس نے عرض کیا اس کے بعد؟ فرمایا: ''تیرا باپ'' (۱)

اس حدیث سے ایک سطحی سا اندازہ یہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی معاشرت میں ماں کے حقوق باپ کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ کسی شخص کے حسن سلوک کی اولین حقدار اس کی ماں ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہوا کہ کسی کے پاس محدود وقت اور وسائل ہوں تو شریعت اسلامیہ اس کی توجہ کا اولین محور اس کی ماں کو قرار دیتی ہے اور اسے حکم دیتی ہے کہ وہ ماں کی ضروریات (Necessities) پوری کرے۔ اور اگر اس کے وسائل ماں کی خدمت بجالانے کے بعد بچ رہیں اور اس کی خواہش ہو کہ وہ حسن سلوک کے ذریعے اللہ کی راہ میں مزید خرچ کرے تو اس حدیث کی رو سے اس پر لازم ہے کہ ماں کی ضروریات پوری کرنے کے بعد اس کی آسائشات (Comforts) بھی پوری کرے تا کہ وہ آسودہ زندگی گزار

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکے۔ پھر اس سے آگے بڑھ کر کوئی شخص ماں کی تحسینیات (Luxuries) مہیا کرنے پر قادر ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ ایسا کرے۔ یہاں تک خرچ کرنے کے بعد اس کے باپ کا حق شروع ہوتا ہے۔ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کی خدمت کے لئے تین دفعہ اسی لئے حکم دیا ہے۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرنے والے کو یوں بھی جواب دے سکتے ہیں کہ ماں کی خدمت بجالانے اور اس کی ضرورت پوری کرنے کے بعد باپ کا خیال بھی رکھو۔

حدیث کی یہ تشریح حتمی نہیں بلکہ یہ اس کنبے کے لئے درست ہو سکتی ہے جہاں مخاطب کا باپ خود آسودہ حال ہو اور اسے بیٹے کی مدد درکار نہ ہو۔ رہا وہ کنبہ جہاں ماں، باپ دونوں بے بس و لاچار ہوں اور ان کا انحصار بیٹے پر ہو، وہاں ماں باپ دونوں کو ضروریات زندگی فراہم کرنا بیٹے کے لئے یکساں اہم ہے، تاہم حدیث جس چیز کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ماں کا اولاد پر باپ کے مقابلے میں کہیں زیادہ حق ہے۔ ماں، باپ پر بہر حال مقدم ہے۔

ذرا دیر کے لئے ذہن کو جدید تصور مساوات مرد و زن سے آزاد کر کے اس حدیث سے اندازہ کیجئے کہ ماں کی بہتری اپنے شوہر کے ساتھ جدید تصور مساوات میں ہے یا یہ حدیث اس کے لئے عمدہ زندگی کی ضمانت دیتی ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں ہے۔ جنت، جو کسی بھی مسلمان کا مقصود اور مراد ہوتی ہے جو نیک لوگوں کا مسکن ہے، اس کے حصول کو بھی ماں کی خدمت سے مشروط کر دیا۔ نسائی کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد پر جانے کے لئے درخواست گزار ہوا۔ آپ نے سب سے پہلے اس سے یہ پوچھا کہ کیا تمہاری والدہ زندہ ہے؟ جواب دیا کہ ہاں زندہ ہے۔ تو حکم دیا کہ تم اس کے ساتھ رہا کرو کیونکہ جنت اس کے قدموں تلے ہے۔ (فان الجنة تحت رجلها) (۲)

قرآن و سنت کے مطالعہ سے باپ کی خدمت و اطاعت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ لیکن جہاں ماں اور باپ دونوں کی فضیلت کا ذکر آتا ہے وہاں ماں کے حقوق باپ کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔ کسی بھی آیت یا حدیث میں اس مفہوم کی کوئی عبارت نہیں ملتی کہ جنت باپ کے قدموں تلے ہے۔

عورت کی بیٹی والی حیثیت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیٹی کی پرورش بیٹے کے مقابلہ میں زیادہ تقدس سے معمور ہے۔ قرآنی تعلیمات میں ہمیں تربیت اولاد کے بارے میں اجمالی

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں (محدث ابو زرعہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احکام تو ملتے ہیں لیکن تفصیلی احکام ہمیں احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے سے ملتے ہیں۔ احادیث کی تمام کتب میں اولاد کی تربیت اور اس کی اہمیت کے بارے میں ہمیں دو طرح کے احکام ملتے ہیں۔ پہلی قسم کے احکام وہ ہیں جو بیٹے بیٹی دونوں کے بارے میں ہیں۔ اور جدید نظریہ مساوات مرد و زن کو درست ثابت کرنے کے لئے کافی تھے۔ لیکن شریعت اسلامیہ کے معاشرتی نظام میں عورت بحیثیت بیٹی، بیٹے کے مقابلے میں نہ صرف برابر نہیں بلکہ اس کا رتبہ بیٹے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس لئے بعض دوسری احادیث نبوی میں بیٹی کو بصراحت خصوصی توجہ کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> **من ابتلی من البنات بشیء فاحسن الیهن کن له سترا من النار (۳)**
>
> جس شخص پر بیٹیوں کی پرورش کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اس نے اس ذمہ داری کو نبھایا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔

بیٹیوں کی کماحقہ پرورش اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے نتیجے میں انسان کو دوزخ سے بچاؤ کی ضمانت ہی نہیں دی گئی، جنت میں داخلہ کی نوید بھی اس طرح سنائی گئی جس پر کوئی بھی مسلمان رشک کرسکتا ہے۔ مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جو حدیث روایت کی ہے وہ جنت میں پوری شان کے ساتھ داخلہ کی منظرکشی ان الفاظ میں کرتی ہے۔

> **من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامة انا وهو کهاتین وضمّ اصابعه۔ (۴)**
>
> جو شخص دو لڑکیوں کا بار اٹھائے اور ان کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو وہ شخص اور میں (رسول اللہ) قیامت کے دن اس طرح ساتھ ہوں گے۔
>
> حضرت انس کہتے ہیں کہ آپ نے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر رکھا۔

ایک اور حدیث میں بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کو بھی شریک کیا گیا ہے۔ سنن ابو داؤد اور جامع ترمذی میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ جس شخص نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بیٹیوں یا دو بہنوں کا بار اٹھایا اور ان کی اچھی تربیت کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو ان کی طرف سے اس بندے کے لئے جنت کا فیصلہ ہے۔ (۵) یہ حدیث ابو داؤد کی ''السنن'' میں بھی ملتی ہے۔

یہ تینوں احادیث لڑکیوں کو پرورش کی ذریعہ نجات قرار دیتی ہیں۔ احادیث کی کتب میں ہمیں اولاد کی پرورش پر کئی احادیث ملتی ہیں جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیٹی کی پرورش کا اجر بیٹے کی پرورش سے نسبتاً زیادہ ہے۔ لہٰذا یہ باور کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ جس طرح عورت بحیثیت ماں، باپ کے مقابلے میں بہتر سلوک کی مستحق ہے، اسی طرح وہ بحیثیت بیٹی، بیٹے کے مقابلے میں جنت کی ضمانت بھی ہے۔

جہاں تک عورت کا بحیثیت بیوی، شوہر سے حقوق حاصل کرنے کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں اسلام ہی وہ نظام حیات ہے جس نے عورت کو مکمل آسودگی دے کر خاندان کی کفالت اور تمام معاشی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا۔ اس پر شوہر کی کوئی بھی مادی ضرورت پوری کرنے کی ذمہ داری نہیں ڈالی۔ کھانے پینے، علاج معالجہ، لباس اور رہنے کے لئے گھر مہیا کرنے کی تمام ذمہ داری اس کے شوہر کے ذمہ ڈالی گئی ہے بلکہ فقہی کتابوں کے مطالعہ سے یہاں تک پتا چلتا ہے کہ فقہائے اسلام نے ایک خاص مدت کے بعد عورت کے والدین اور بہن بھائیوں سے ملنے پر اٹھنے والے اخراجات تک اس کے شوہر کے ذمہ ڈالے ہیں۔ عورت کو یہ حق تک حاصل ہے کہ نکاح کے وقت یہ شرط منوالے کہ کھانا پکانے اور گھر کے دوسرے کام کاج کرنے کے لئے اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ اس کے ذمہ یہی ہے کہ وہ ان فطری ذمہ داریوں کو پورا کرے جو شوہر اور بیوی کے تعلقات قائم کرنے میں بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ اس کے بعد بچوں کی پرورش اس کے ذمہ ہے۔ یہاں تک ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد اسلام نے اس کو تمام دوسرے کاموں سے فارغ البال کر دیا ہے۔

اس کے مقابلہ میں تہذیب مغرب نے عورت کی نزاکت، حسن، لطافت اور فطرت کو مساوات کے پردے میں مسخ کر کے اولاً اسے گھر جیسی پرامن جگہ سے نکالا، شانہ بشانہ چلنے کا خوشنما نعرہ دیا۔ دفتروں، شاپنگ سینٹروں اور ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں میں لا بٹھایا۔ فضائی کمپنیوں میں سیرو تفریح کے نام پر اسے مردوں کی دلبستگی کا ذریعہ بنایا، اس کے تقدس، احترام اور نسوانیت کو ختم کر کے نسوانی آزادی جیسی پرفریب اصطلاح کے پردے میں بڑی خوبصورتی اور چالاکی سے اسے اپنا معاشی

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بار خود اٹھانے پر مجبور کر دیا اور یوں مرد عورت کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو گیا۔

جدید نظریہ ہائے حیات عورت کو مرد کے مساوی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ عورت اپنی چاروں بنیادی حیثیتوں میں کسی طور پر بھی نہ صرف مرد کے مساوی نہیں بلکہ اس کا احترام، تقدس، قدر ومنزلت، اہمیت اور توقیر مرد سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مرد کے مساوی قرار دینے کے بعد یہ نظریات عورت پر معاش کی مساوی ذمہ داریاں ڈال دیتے ہیں۔ بلکہ اب جدید مغربی تہذیب خاندان کی ذمہ داریاں مرد سے کہیں بڑھ کر عورت پر ڈالتی ہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۸۹ء میں امریکہ کا دورہ کرنے والے ایک پاکستانی وفد کے ارکان سے بعض امریکی اسلام میں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے عام طور پر سوال کرتے جن میں طنز کی چبھن ہوتی۔ چنانچہ وفد کے ایک رکن نے تنگ آ کر ان سے سوال کیا کہ امریکہ میں دی جانے والی آزادی کے نتیجے میں اب ایک مرد اور عورت کو یہ قانونی حق حاصل ہے وہ کوئی قانونی ذمہ داری پوری کئے بغیر، ایک ہی گھر میں جب تک چاہیں میاں بیوی کے تعلقات قائم کرتے ہوئے زندگی گزار سکتے ہیں اور جب چاہیں ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں۔ امریکی فلسفیوں، دانشوروں اور قانون دانوں کی حمایت سے دی جانے والی اس قانونی آزادی کے نتیجے میں جب ایسے مرد اور عورت ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں تو مرد کے آثار و باقیات، جو عورت کے جسم میں پرورش پا رہے ہوتے ہیں، ان کی ذمہ داری (Liability) صرف عورت ہی پر کیوں ڈالی جاتی ہے؟ اور یہ کہ کیا امریکی فلسفیوں نے اس طرح عورت کو مرد کی تسکین محض کا ذریعہ نہیں بنا کر رکھ دیا؟ مزید یہ کہ کیا یہ قانون عورت کے لئے ظالمانہ نہیں ہے؟ تنہا عورت ہی مرد کی ذمہ داریوں کا بوجھ کیوں اٹھائے؟ یہ سوالات سن کر امریکی سوائے خاموشی کے کوئی جواب نہ دے سکے۔ یہ رپورٹ ہفت روزہ تکبیر کراچی کی ۱۹۸۹ء کے ایک شمارے میں دیکھی جا سکتی ہے۔

دوسری خصوصیت:

اسلام جس معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے اسے بحیثیت کل لیا جائے تو دوسری اہم بات یہ پتا چلتی ہے کہ ایک طرف تو عورت کو تمام ذمہ داریوں سے فارغ کر کے اس کی توجہ کا محور اس کا گھر، شوہر اور بچوں کو قرار دیا۔ دوسری طرف گھر کے باہر کھیت، منڈی، صنعت، تجارت، ٹرانسپورٹ، حکومت، عدالت و احتساب اور کاروبار حیات کا تمام بندوبست مردوں پر ڈال دیا ہے۔ اس میں شک

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہے کہ زندگی کے کئی ایسے شعبے ہیں جن کا انتظام و انصرام عورتیں ہی چلا سکتی ہیں۔ حتیٰ کہ کئی ایسے شعبے بھی ہیں جہاں مردوں کا عمل دخل شریعت اسلامیہ ہرگز پسند نہیں کرتی جیسے عورتوں کے معالجے سے متعلق امور، ان کے لباس اور دوسری ضروریات کی تیاری وغیرہ۔ لیکن جہاں تک مجموعی طور پر کاروبار حیات چلانے کا تعلق ہے، تو شریعت اسلامیہ نے عورت کی نزاکت کے پیش نظر اسے اس سے مستثنیٰ رکھا ہے۔ تفصیل احادیث سے ملتی ہیں۔

''جمع الفوائد'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس میں پوچھا کہ عورتوں کیلئے کون سی چیز بہتر ہے؟ تمام صحابہ خاموش رہے، میں خود بھی کوئی جواب نہ دے سکا۔ گھر آ کر میں نے وہی سوال فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بلا تامل جواب دیا: ''لا یراهن الرجال'' کہ عورتیں مردوں کی نگاہوں سے محفوظ رہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جواب بتایا تو انہوں نے خوش ہو کر فرمایا: فاطمہ میرا ایک حصہ ہے (گویا جو فاطمہ نے کہا اس کی تائید کی۔)'' اس حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ عورتوں کیلئے بہترین صورت یہ ہے کہ وہ سرے سے مردوں کی نظروں ہی میں نہ آئیں۔ پردے، بے پردگی کا مسئلہ تو ضمنی اور بہت بعد میں آتا ہے۔

پردے کے احکام، معاشرے میں عورت کی ذمہ داریاں اس کا گھر سے کس حد تک باہر نکلنا جائز ہے؟ کس حد تک اس کا مردوں سے میل جول جائز ہے؟ یہ سوال اسلام کے قانونی و اخلاقی نظام سے متعلق ہیں جس میں بحث کی گنجائش موجود ہے لیکن مندرجہ بالا حدیث کا مفہوم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ عورت زیادہ سے زیادہ یہی کوشش کرے کہ مردوں کی نگاہوں سے بچی رہے۔ اختلاط تو بہت دور کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترمذی کی ایک حدیث میں ''المرأۃ عورۃ'' کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ عربی زبان میں عورت کے لئے لفظ ''امراۃ'' بولا جاتا ہے اور عورت اس چیز کو کہتے ہیں جو مخفی، مستور اور چھپا کر رکھی گئی ہو۔ چنانچہ حدیث کے ان الفاظ کے مطابق عورت وہ چیز ہے جسے لوگوں کی نظروں سے بچا کر رکھنا چاہئے۔ یہی لفظ جب عربی سے اردو میں داخل ہوا تو عورت کہلایا۔

قرآن و سنت کے احکام سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام چلانے کے لئے صرف مردوں ہی کو ذمہ دار قرار دیا۔ احکام کی نوعیت، پس منظر اور انداز تخاطب واضح کرتا ہے کہ ان احکام کے بجالانے کے لئے عورت کی تو سرے سے کہیں گنجائش ہی نہیں ہے۔ اسے تمام کاموں، ذمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داریوں اور جھنجھٹوں سے آزاد کر کے دنیا کی امامت کا بارِ عظیم مردوں کے حوالے کر دیا اور روزِ حساب کو وہی اس کی جواب دہی کرے گا۔

خاندان کی ابتداء میاں بیوی کے تعلق بذریعہ نکاح سے ہوتی ہے۔ نکاح کے احکام نازل کرتے وقت ان رشتوں کی مکمل تفصیل بتائی جن سے نکاح حرام ہے۔ "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ" (النساء ۴: ۲۳، ۲۴) یہ تفصیل بتاتے وقت مردوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ تعددِ ازدواج کے احکام نازل ہوئے تو مردوں کے لئے "فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ" (النساء ۴: ۳) طلاق کا حق دیا تو مردوں کو، گھریلو نظام کی مرکزیت قائم رکھنے کیلئے مرد کو عورت پر قوام (Super) ٹھہرایا۔ "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ" (النساء ۴: ۳۴) گھریلو تنظیم میں مرد کی شہنشاہیت بتائی۔ "الرجل راع على اهله وهو مسئول" (۶)۔ اب تفصیل کہاں تک بیان کی جائے؟ غور کیجئے: مہر، نفقہ، ظہار اور لعان کے احکام مردوں ہی کو مخاطب کر کے نازل کئے گئے ہیں۔

آگے گھریلو خرچ کے ضمن میں دیکھئے: بیوی کی کفالت کے احکام نازل کرتے ہوئے مرد کو مخاطب کیا۔ دستور کے مطابق خرچ دینے کا حکم مردوں کو دیا گیا، گھر سے نکل کر دوسرے معاشرتی پہلوؤں کا مطالعہ کیجئے۔ نمازِ جنازہ کے احکام مردوں کے لئے ہیں۔ عورت ان سے مستثنیٰ ہے۔ مسجد میں نماز باجماعت مردوں پر فرض قرار دی عورتوں کو اس سے چھوٹ دے دی گئی۔ نماز جمعہ کے جملہ احکام دیکھئے: طرزِ تکلم مردوں کی طرف ہے۔ عورتوں پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے۔ سفر کے احکام دیکھئے: مردوں کے لئے ہیں۔ عورت کے لئے سفر کے احکام جدا ہیں۔ اسے یہ سہولت فراہم کی گئی ہے کہ وہ اپنے محرم ساتھی کو سفر میں ہمراہی کے لئے لے جائے۔ جہاد کے جملہ احکام دیکھئے: مردوں کے لئے ہیں، عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے۔ البتہ عورت کو بحالت مجبوری جہاد میں حصہ لینے سے منع بھی نہیں کیا گیا بلکہ وہ مجاہدین کی خدمت کے لئے مناسب طریقے سے جہاد میں شریک ہو سکتی ہے۔

اسلامی معاشرے میں عورت کو حاصل چند اہم تحفظات:

ان دو باتوں کو ذہن نشین کرتے ہوئے دیکھا جائے کہ عورت کو اسلامی معاشرے میں مرد کے مقابلے میں کیا خصوصی تحفظات حاصل ہیں جن سے مرد محروم ہے اور کہاں پر عورت کی استثنائی حیثیت ہے اور اس کی وجہ کیا ہے؟ تو وہ اہم مقامات مندرجہ ذیل ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گواہی میں سہولت:

کسی بھی ملک کے نظام قانون کو سمجھنے والے اصحاب جانتے ہیں کہ گواہی ایسا عمل ہے جس سے ہر شخص کتراتا ہے۔کوئی شخص کسی بھی عدالتی نظام میں نہ گواہی کا متحمل ہوسکتا ہے اور نہ پسند کرتا ہے۔لوگ عدالتوں میں جانا ہی پسند نہیں کرتے۔اول تو ایک خاص تاریخ پر گواہ کا عدالتی کٹہرے کے باہر سارا دن مسلسل منتظر رہنا اور جب باری آئے تو وکیل مخالف کی چالوں کے باعث مقدمے کا اگلی تاریخ پر التواء۔اور دوم یہ کہ جب گواہی دی جائے تو وکیل جرح کرتے وقت وہ وہ نکات اٹھاتے ہیں جن کے بارے میں گھریلو عورت تو ایک طرف رہی، اچھا خاصا جہاندیدہ مرد بھی ان سوالوں کے سامنے نہیں ٹھہر پاتا۔ یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ وکیل کے جرح کرنے ہی پر مقدمے کا بہت حد تک دارومدار ہوتا ہے۔ رائج الوقت ملکی قانون اور دنیا کے تمام نظام ہائے قانون گواہی کے معاملے میں عورت مرد دونوں سے ''مساوی سلوک'' کرتے ہیں۔

حالانکہ عورت کے ساتھ یہ امتیازی برتاؤ ہے۔ممکن ہے عورت کی جسمانی کیفیت ایسی نہ ہو جس میں ذہنی حالت معمول کے مطابق رہتی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جسمانی لحاظ سے وہ اس مرحلے سے گزر رہی ہو جس میں کسی دوسری عورت کا اس کے پاس رہنا ضروری ہو۔ پھر عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ عورت خواہ کتنی ہی تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو، بھول جانے کا مادہ اس میں مرد کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ (اگر بھول جانے کو کوئی شخص عورت کی صلاحیتوں میں ضعف یا کمی قرار دے تو ہم اسے کم علمی کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت بھول جانا بھی ہے جس کے باعث ذہن میں نئی نئی باتیں جگہ پاتی رہتی ہیں اور تلخ اور افسوسناک واقعات کے اثرات زائل ہوتے رہتے ہیں، گویا یہ نعمت اللہ نے عورت کو مرد کے مقابلے میں خصوصی سلوک کا مستحق قرار دیتے ہوئے قدرے زیادہ عطا کی ہے۔) مقدمے کی نوعیت ایسی ہوسکتی ہے کہ عورت فطری حیاء کی وجہ سے سارے حقائق بیان کرنے سے قاصر ہو اور جب بیان کرے تو اس کا بیان مربوط نہ ہو۔

اس صورت حال کو دور کرنے کے لئے اسلامی قانون عورت کو گواہی کے وقت دوسری معاون عورت کی سہولت بہم پہنچاتا ہے۔ جو دنیا کے کسی دوسرے نظام قانون میں نہیں ہے بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے نظام ہائے قانون عورت کو عدالت کے کٹھرے میں لا کھڑا کر کے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ وکیل کے جرح کرنے پر کوئی دوسرا مداخلت نہیں کر سکتا، مقدمے کا پانسا پلٹ جائے یا ویسے ہی رہے۔ عورت صحیح گواہی دے سکے یا نہ دے سکے، مدعی کا دعویٰ سچ ثابت ہو یا جھوٹ، یہ نظام ہائے قانون ان باتوں سے لاتعلق ہیں۔ ان کا سارا عمل میکانکی ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورت کو یہ سہولت دی کہ اول تو شہادت کا بار ہی مرد پر ڈال دیا اگر خدانخواستہ کسی موقع پر مرد گواہان نہ مل سکیں تو ایک مرد کے ساتھ عورتیں بھی گواہ بنائی جا سکتی ہیں۔ قرآن میں آتا ہے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى۔ (بقرہ۲: ۲۸۲)

پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرا لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تا کہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔

یہ حکم معاملات سے متعلق ہے۔ رہا وہ جرم جو عورت و مرد کے ناجائز تعلق کے قائم ہونے پر وجود میں آئے، تو اس جرم میں عورت کو گواہی سے بالکل ہی مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ اس لئے کہ اسلامی معاشرے کی پروردہ عورت ہی نہیں، دنیا کی کوئی بھی عورت جنسی جرائم کو دیکھتے ہی حیاء کے مارے اپنا منہ پھیر لیتی ہے۔ لہٰذا جب جرم کے واقع ہونے پر اس کی تمام جزئیات کا مشاہدہ نہ کیا جائے تو اس جرم میں گواہی کیسی؟ اور فرض کریں کسی صورت حال، جیسے جبری جنسی جرم (Rape)، میں کسی جنسی جنونی کا ایسی حالت میں جرم کرنا کہ عورتیں مجبوراً دیکھ رہی ہوں تو اسلام اسے قبیح جرم کے بیان کے لئے اپنی عورتوں کو یہ زحمت ہی نہیں دیتا کہ وہ عدالتوں میں ماری ماری پھریں اور انہیں وکیلوں کی جرح کے مراحل سے بھی گزرنا پڑے۔ کوئی دوسرا نظام حیات اپنے معاشرے کی عورتوں کی اس حد تک تذلیل کرنے پر رضامند ہو تو کرتا پھرے۔ رہا مجرم کو سزا دینے کا عمل! تو اس کے لئے اسلام کا فوجداری نظام دوسرے ذرائع اختیار کرتا ہے۔ زنا بالجبر کا مجرم سزا سے بچ نہیں سکتا۔ یہاں گواہی کا الگ سے ایک طریقہ ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں دیکھئے۔

یہاں پر بعض ''جدید تعلیم یافتہ'' اصحاب ایک دلچسپ رویے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کوڑے مارنے اور سنگسار کرنے کو وہ ''جدید تقاضوں'' سے ہم آہنگ قرار نہیں دیتے۔ یہی سزا جب اسلام کی

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت یہاں چالیس روز تک نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے ذرائع جیسے ادرو الحدود بالشبھات کے تحت عورتوں کی گواہی کو حد زنا میں شبہ قرار دے کر اسے ممکنہ حد تک معاشرے سے کم کرتا ہے، تو یہ حضرات ایک دوسرا اعتراض کرنے لگتے ہیں کہ عورت کی حیثیت کو مرد سے کم تر کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ سمجھنے کی نیت سے کئے گئے غور کے نتیجے میں یہ بات یوں بھی بیان کی جا سکتی ہے کہ حد زنا کے معاملہ میں اسلام نے ایک طرف تو عورت کو بطور گواہ مشکل میں ڈالنے سے بچا لیا ہے۔ دوسری طرف اسلام کو ''جدید تقاضوں'' سے ہم آہنگ رکھنے کا اہتمام بھی کیا ہے تاکہ معاشرے سے کوڑے مارنے اور سنگسار کرنے کی سزا ہر ممکن حد تک کم رہے اور یوں اسلامی معاشرے میں مقدمات کی کمی اور سزاؤں میں تخفیف کا بندوبست کیا گیا ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ایک معاملہ میں عورت کی گواہی قبول نہیں ہوتی اور دوسرے معاملے میں اس کی گواہی کسی معاون عورت کے ساتھ قبول ہے تو اس سے عورت کی حیثیت مرد کے مقابلے میں کم تر ہوگئی ہے۔ ایسے نہیں ہے زندگی کے کئی ایسے معاملات ہیں جن میں صرف عورت ہی کی گواہی قابل قبول ہوتی ہے۔ ان میں مرد کی گواہی کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہوتا۔

ایسے معاملات میں تنہا عورت کی گواہی نہ صرف مقبول ہے بلکہ یہ کہہ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ وہاں ایک عورت کی گواہی دو مردوں کے برابر ہے۔ کسی عورت کا بچہ پیدا ہوا یا پیدا ہونے کے بعد مرا۔ یہ بات دائی ہی بتا سکتی ہے جو بعض حالات میں اکیلی ہوتی ہے۔ بچے کی پیدائش کا وقت بھی دائی ہی بتا سکتی ہے۔ تقسیم میراث کے ضمن میں بسا اوقات بہت سے اہم فیصلوں کا دارومدار بچے کی پیدائش پر ہوتا ہے۔ اس لئے بچے کی پیدائش کا وقت بعض معاملات میں ازحد اہم ہوتا ہے۔ کسی کنواری یا شادی شدہ عورت کی بکارت (Virginity) کا تعین بھی ایک عورت کی گواہی سے ہوتا ہے۔ شادی کے ایک دن بعد خاوند فوت ہوگیا۔ مہر بھی ادا نہیں ہوا، عورت کو مکمل مباشرت یا خلوت صحیحہ کے تحت پورا مہر دیا جائے یا وہ نصف مہر کی حقدار ہے؟ اس بات کا فیصلہ بھی کسی عورت ہی کی ایک گواہی سے ہوتا ہے۔

اور بھی کئی معاملات ایسے ہیں جہاں تنہا عورت کی گواہی دو مردوں کے برابر ہوتی ہے لہٰذا یہ کہنا کہ شہادت کے معاملہ میں اسلام میں عورت کی حیثیت مرد کے مقابلے میں کم تر ہے، سراسر لاعلمی پر مبنی ہے۔

☆ قال الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: امن الناس علی فی الفقہ محمد بن حسن ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کفالت سے برات اور وراثت:

وراثت کے احکام کا مطالعہ کرنے سے قبل ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پیدائش سے موت تک عورت کی تمام معاشی ضروریات اس کے مرد رشتہ داروں کے ذمہ ہیں۔ اولاً باپ اس کی کفالت کرتا ہے۔ بالغ ہونے پر اس کی شادی کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔ علیحدگی کی صورت میں وہ اس کی مضبوط پشت کی صورت میں موجود ہے۔ باپ زندہ نہ ہو تو یہ فرائض بھائی کے ذمہ ہیں۔ شادی کے بعد اس کی تمام مالی ضروریات پورا کرنا اس کے شوہر کے ذمہ ہے۔ شوہر فوت ہو جائے، بچے نابالغ ہوں تو بیوہ کے احکام کے تحت عام مسلمانوں پر اس کی کفالت کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ بیٹے کمانے والے ہوں تو ماں کی کفالت ان کے ذمہ ہے۔ گویا اس کے بچوں کی کفالت ہی نہیں، خود اس کی اپنی کفالت بھی کسی اور کے ذمہ ہے۔ ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو باپ کی وراثت میں بھائی کے دو حصوں کے مقابلہ میں عورت کا ایک حصہ ہونا قابل فہم ہے کیونکہ اس کا بالمقابل بھائی باپ کی میراث سے دو حصے لے کے اپنی، اپنے اہل وعیال اور بعض صورتوں میں ماں باپ اور بہنوں تک کی کفالت کا مکلف ہے جب کہ عورت باپ کی جائیداد سے ایک حصہ لے کر بھی اپنی تمام ضروریات شوہر سے پوری کرتی ہے۔

وراثت کے ضمن میں باپ کی میراث میں بہن بھائی ہی کے دو یا ایک حصے کو زیر بحث نہیں لایا جانا چاہئے، کیونکہ عورت دوسری حیثیتوں، جیسے ماں، بیٹی اور بیوی کی حیثیت میں بھی اپنے رشتہ داروں کی میراث میں حصہ پاتی ہے اور کئی مواقع پر اس کا حصہ بالمقابل مرد کے برابر ہوتا ہے۔ جیسے کسی میت کا کوئی بیٹا یا پوتا ہو تو میت کے باپ کو کل میراث کا چھٹا حصہ ملتا ہے۔ اسی طرح میت کی اولاد ہونے کی صورت میں میت کی ماں کو بھی میراث میں سے چھٹا حصہ ملتا ہے۔ گویا اس صورت میں ماں اور باپ یکساں حیثیت کے حامل ہیں۔ بعض صورتوں میں ماں شریک بہن بھائیوں کے معاملے میں عورت اور مرد کا حصہ یکساں رکھا گیا ہے۔

وراثت کے ضمن میں تیسری اہم بات یہ ہے، کہ اگر عورت کو باپ کی میراث میں سے دو کی بجائے ایک حصہ ملتا ہے، تو شوہر کی جانب سے اسے مہر بھی تو ملتا ہے، جس کے مقابلے میں اس کے بھائی یا شوہر ایسا کوئی حق نہیں رکھتے۔

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں: فقہ اہل مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبادات میں چھوٹ:

نماز، روزہ، حج اور سفر وغیرہ میں عورت کے لئے جو احکام نازل کئے گئے ہیں، وہ اس کی ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی کیفیات کے بالکل مطابق ہیں۔ ایک بالغ عورت کو عام حالات میں ہر مہینہ تین سے دس ایام تک ایسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ وہ یقینی طور پر وضو قائم نہیں رکھ سکتی۔ وضو نماز کی شرائط میں سے ہے اور شرط کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ یہ ایک مشکل اور پیچیدہ معاملہ ہوتا اگر شارع حکیم اس کے لئے کوئی الگ سے احکام نازل نہ فرماتے۔ چنانچہ عورت کا بیشتر وقت بار بار وضو کرنے میں گزر جاتا پھر بھی یہ بات یقینی نہ ہوتی کہ وضو قائم ہے یا عین نماز میں ختم ہو گیا۔ چونکہ شرعی احکام کے نزول میں شارع کی طرف سے عدم حرج کا اصول کارفرما ہوتا ہے جس کا مطلب مکلفین (بندوں) کی مشکل کو کم کرنا ہے اس لئے اس اصول کے تحت عورت کو ایسے ایام میں نماز ادا کرنے سے رخصت عطا فرمائی اور یہی نہیں بلکہ ایسی نمازوں کی قضا بھی معاف کر دی۔

گویا نماز کے معاملے میں عورت کو مرد کے مقابلے میں استثنائی حیثیت حاصل ہے جس کی وجہ اس کا خاص جسمانی نظام ہے۔ یہی صورت حال روزہ میں بھی عورت کو درپیش آتی ہے۔ شارع نے ایسے ایام میں عورت کے جسم سے نکلنے والے خون کو غلاظت کہا ہے، عورت کا جسم اس خون سے آلودہ ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں ہوتا کہ روزے جیسی پاکیزہ کیفیت کا متحمل ہو۔ لہٰذا ان ایام میں اللہ تعالیٰ نے عورت کو روزے میں بھی چھوٹ دی ہے اور یہ اجازت دی کہ رہ جانے والے روزے بعد میں کسی وقت پورے کرے۔

نماز اور روزے میں البتہ یہ فرق ہے کہ نماز کی قضا ضروری نہیں، روزوں کی قضا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نمازوں کے ادا کرنے میں ہر مہینے خلل پڑتا ہے جو دس دن تک ہو سکتا ہے۔ اگر کسی عورت کو ایام سے فارغ ہونے کے بعد دس دن کی نمازیں قضا کرنا پڑیں اور ہر نماز کے ساتھ ایک وقت کی نماز لوٹائے تو اگلے دس دن تک اسے دگنی نمازیں ادا کرنا پڑتیں۔ اس طرح ہر مہینے قضا نماز ادا کرنا باعث تکلیف ہوتا۔ اس کے برعکس روزے سال میں صرف ایک مرتبہ ہوتے ہیں جو دس بھی چھوٹ جائیں تو سال کے باقی گیارہ مہینوں میں باآسانی رکھے جا سکتے ہیں۔

حد يعمل في الارض خير لاهل الارض من ان يمطروا اربعين صباحا ☆ الحديث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سفر میں محرم کی سہولت :

کسی بھی شئے کو بیان کرنے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اس شئے کے کسی ایک پہلو کو لے کر اس کے سلبی (Negative) نکات بیان کئے جائیں، دوسرا اسلوب یہ ہے کہ اسی شئے کے محاسن بیان کئے جائیں۔ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ اب اسی سفر کو لیجئے: عورت کے محرم کے بغیر سفر نہ کر سکنے کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ شارع (Lawgiver) نے عورت کے مخصوص حالات کی بناء پر اسے یہ جبری سہولت بہم پہنچائی کہ وہ سفر جیسی مشکل صورت حال کی مشقتوں سے بچنے کے لئے لازماً اپنے ساتھ کسی محرم کو بھی لے جائے۔ یہ جبری سہولت اسی طرح ہے جس طرح کوئی باپ اپنے کم عمر بچے کو دوسرے شہر تک اکیلے سفر کرنے سے منع کر دے۔ ممکن ہے بچے کو باپ کا یہ فرمان پسند نہ آئے لیکن کیا باپ کا یہ فرمان بچے کے مفاد کے خلاف ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اسی طرح خالق نے جب اپنی مخلوق پر ویسا ہی ایک ضابطہ جاری کیا تو یقیناً اس نے مخلوق کی بہتری ملحوظ رکھی ہے۔ اولاً تو تمام مردوں کو ہدایت کی کہ رات کو سرے سے تنہا سفر نہ کریں۔ بخاری کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو وہ بات معلوم ہو جائے جس کا مجھے علم ہے کہ تنہائی میں کیا ہے؟ تو کوئی مسافر رات کے وقت سفر نہ کرے۔ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر) ایک اور حدیث میں عورتوں کو ہدایت کی گئی کہ کوئی عورت محرم کے بغیر، تنہا سفر نہ کرے۔ ”ولا تسافرن امراۃ ومعھا محرم“ (۷) بخاری اور مسلم کی ایک حدیث سے ہمیں سفر کی حد کے بارے میں پتہ چلتا ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔

بعض افراد کے خیال میں چودہ صدیاں پہلے نازل ہونے والے احکام از کار رفتہ ہو چکے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سفر کے وسائل اور ذرائع تبدیل ہونے کی وجہ سے اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث سفر کی کیفیت بالکل تبدیل ہو چکی ہے۔ اب جہاز یا ریل کے ذریعے ہزاروں میل کا سفر گھنٹوں میں بغیر کسی تھکن، پریشانی یا اضمحلال کے طے ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایک عورت کے لئے کراچی سے کسی دوسرے ملک میں ہزاروں میل کا سفر، چودہ صدیاں قبل کے صرف اڑتالیس میل سے ازحد آسان ہے۔ لہٰذا بعض اصحاب کا خیال ہے کہ سفر کے ان اسلامی احکام کو بذریعہ ’’اجتہاد‘‘ تبدیل کیا جائے۔ بعض اس سے بھی ذرا آگے جا کر خود ہی اپنی ’’مجتہدانہ رائے‘‘ کا اظہار بھی کر دیتے ہیں۔

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالانکہ سفر کے معاملہ میں جہاں سہولتیں پیدا ہوئی ہیں، وہاں سفر میں مشکلات کی نوعیت بدل جانے کے باعث اس کے احکام جوں کے توں ہیں۔ ذرا اس طیارے کا تصور کیجئے جسے کراچی سے اڑنے کے بعد موسم کی خرابی کے باعث استنبول سے اڑان کی اجازت نہ ملی اور وہ بلغاریہ جا اترا اور بعد میں دھند کے باعث اس کو صوفیہ سے لندن کے لئے اڑان کی اجازت نہ ملی۔ اور ذرا عورت کے ان عزیزوں کی ذہنی کیفیت کا تصور کیجئے جنہوں نے اسے کراچی کے ہوائی اڈے پر رخصت کیا ہو اور پھر وہ عزیز جو لندن کے ہوائی اڈے پر اس کے منتظر ہوں ان کی حالت کیا ہوگی؟

پھر ذرا اس عورت کا تصور کیجئے جس کے جہاز کو دہشت گردوں نے اغوا کر لیا ہو وہ بغیر محرم کے سفر کر رہی ہو۔ پھر اس تیز رفتار ٹرین کا تصور کیجئے جو کسی صحرا میں حادثے کا شکار ہو گئی ہو اور اس کے مسافروں کو مقامی اچکے لوٹ رہے ہوں اور اسی ٹرین میں محرم کے بغیر عورتیں بھی سفر کر رہی ہوں۔

لہٰذا بات اظہر من الشمس ہے کہ سفر کے احکام عورت کیلئے اب بھی وہی ہیں جو چودہ سو سال قبل تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یحل لامراۃ تومن باللہ والیوم الآخر تسافر مسیرۃ یوم و لیلۃ مع ذی محرم علیہا۔ (۸)

عورت جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ محرم کے بغیر ایک دن اور ایک رات کی مسافت تنہا سفر کرے۔

اس حدیث کے الفاظ قابل غور ہیں۔ یہاں ایک دن اور ایک رات پر مبنی سفر کا ذکر نہیں ہے اور یوں کہا کہ ایک دن اور ایک رات تنہا سفر نہ کرے۔ اگر یوں ہوتا تو موجودہ دور کے گھنٹوں میں ہونے والے سفر اس سے مستثنیٰ قرار پاتے بلکہ حدیث کے الفاظ میں محض سفر کی مسافت کا ذکر ہے جو ایک دن اور ایک رات پر محیط ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس دور کے ذرائع آمدورفت کے لئے ایک دن اور ایک رات میں طے کی جانے والی مسافت موجودہ دور کے اڑتالیس میل یک طرفہ قرار دی۔ سفر کے مخصوص حالات اور عورت کی خصوصی حیثیت کے بموجب یہ استثنائی احکام بالکل درست ہیں۔ اس بارے میں مسلم امت کی ذہنی آزادی کے دور میں کبھی سوال نہیں اٹھا۔

سفر کی مسافت چاہے کتنی ہی ہو، ہمارا یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ عورتیں گھر سے متصل کسی دوسرے گھر میں بھی جائیں تو بالعموم تنہا جانے کی بجائے اپنے ساتھ کسی دوسری عورت یا بچے کو لے جانا

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں۔ (محدث ابو زرعہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پسند کرتی ہیں۔ اس لئے محرم کی شکل میں دی جانے والی سہولت عورت کی فطرت کے عین مطابق ہے۔

ممکن ہے موجودہ دور میں ذرائع آمدورفت میں ترقی اور تنوع کے پیش نظر اس پر حیرت کا اظہار کیا جائے کہ اڑتالیس میل کی مسافت تو اتنی کم ہے کہ آج کل عورتیں باآسانی روزانہ اتنی مسافت طے کرتی رہتی ہیں۔ لیکن یہ ذہن میں رکھئے کہ یہ احکام اسلامی معاشرے کے بارے میں ہیں، جس میں عورت تمام معاشی تفکرات سے آزاد ہوتی ہے۔ موجودہ دور کی ''جدید عورت'' کی طرح نہیں ہوتی کہ اسے روزانہ گھر سے کام کے مقام تک سفر کرنا پڑے، بلکہ اسے تو شاید کبھی کبھار سفر جیسی مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑے۔ ایسی صورت میں بھی اسلام اسے مرد معاون، محرم کی شکل میں لازماً مہیا کرتا ہے۔ ذرا ان عورتوں سے پوچھ کر تو دیکھئے جن کے مرد حضرات گھر سے باہر انہیں ادھر ادھر خود لاتے لے جاتے ہیں کہ اس عمل میں کس قدر وقار، متانت اور قدر و منزلت ہے اور تنہا ادھر ادھر آنے جانے والی عورتوں کو کس طرح لاتعداد نگاہوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

نکاح کے وقت ولی کی سہولت:

جس طرح مرد کو شریک حیات کے چناؤ میں اختیار حاصل ہے، کم و بیش اسی طرح عورت بھی یہ حق رکھتی ہے کہ اپنے لئے رفیق سفر کا چناؤ خود کر سکے۔ لیکن عورت کے اسلامی معاشرے میں ایک خاص مقام کے پیش نظر اسے یہ سہولت فراہم کی گئی ہے کہ اس کے چناؤ کو باپ یا باپ نہ ہونے کی صورت میں کسی دوسرے سرپرست (ولی) کی منظوری (Approval) کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے تعلیمات اسلامی کا خاطر خواہ علم نہ ہونے اور دوسرے لاتعداد عوامل کے باعث سرپرستوں نے بالخصوص قبائلی نظام زندگی میں، اس اختیار کا بے محابا استعمال کیا۔ انہوں نے عورتوں کی مرضی کے بغیر مخصوص خاندانی تناظر میں ان کی شادیاں کرنا شروع کر دیں۔ کہیں جاگیر پیش نظر رہی، کہیں نکاح شغار (ادلے بدلے کی شادی) اس کی وجہ رہی۔ کہیں ہوس زر کے نتیجے میں عورت کو قربانی کا بکرا بننا پڑا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ناقدین نے لوگوں کے ان اعمال کو عین اسلامی سمجھنا شروع کر دیا جو غلط ہے۔

جب کہ اصل صورت یہ ہے کہ نکاح کی تجویز عورت، اس کے والد یا اس کے سرپرست میں سے کسی کی طرف سے بھی ہوسکتی ہے۔ لڑکی کو خاندان یا خاندان سے باہر کسی لڑکے کے بارے

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہوجاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں علم ہو تو وہ شرم وحیاء کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنی خواہش کا اظہار باپ کے ساتھ، خود یا کسی واسطے سے، کرسکتی ہے۔لڑکی کا باپ سے بڑھ کر دنیا میں اور کون ہمدرد ہوسکتا ہے؟ اسلامی معاشرے کی پروردہ لڑکی کی پسند بھی لائق حرف زنی نہیں ہوسکتی۔ اور باپ کا فیصلہ بھی لڑکی کے عین مفاد میں ہوتا ہے۔ البتہ اسلامی معاشرے سے ہٹ کر جدید دنیا میں، کہ جہاں باپ پرانی قدروں کا امین اور لڑکی جدید روشنی میں پلی ہوئی ہو، حقوق وفرائض کے تعین میں دشواری پیش آسکتی ہے۔ اسی طرح جاہل قبائلی جاگیردارانہ معاشرے میں بھی عورت کی معاشرتی حالت قابل رشک نہیں ہے۔ وہاں بھی مسائل پیدا ہوسکتے ہیں۔

عورت کی شادی کی دوسری صورت یوں ہوسکتی ہے کہ لڑکی کا باپ اپنی بیٹی کے لئے مجوزہ رشتہ خود یا کسی واسطے کے ذریعے بیان کرے اور بیٹی سر جھکا دے۔ ان دونوں طریقوں میں سے لڑکی اور اس کے باپ یا سرپرست کی منظوری ضروری ہے۔ اسلامی معاشرے میں، جہاں اسلامی تعلیمات عام طور پر رائج ہوں، یہ سوال کوئی سوال ہی نہیں ہے کہ لڑکی اپنی مرضی سے شادی کرسکتی ہے یا نہیں۔ وہاں تو ہر شخص یہ جانتا ہے کہ سرپرست کی یہ منظوری تو عورت کے لئے دست شفقت ہے جو مردوں کو حاصل نہیں ہے۔ کوئی بالغ مرد اپنی پسند سے کسی عورت سے شادی کرنا چاہے تو محض اپنی رائے کے ساتھ کرسکتا ہے۔ اس کے نتائج جو بھی برآمد ہوں، اس کا باپ ان میں شریک نہیں ہوتا بلکہ لڑکے کو مشکل صورت کا خود ہی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس لڑکی کی پسند کو باپ کی منظوری حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ شادی کے غلط نتائج برآمد ہونے پر لڑکی کے لئے باپ کے گھر کے دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ یہ سہولت لڑکے کو حاصل نہیں ہوتی۔ اور اگر عورت کے لئے اس کے ساتھی کا انتخاب خود اس کا باپ کرے جسے لڑکی قبول کرلے تو اس صورت میں تو باپ کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

شادی کا بندوبست:

عورت کے لئے مناسب رشتے کے انتخاب کے بعد اس کی شادی اور گھر سے رخصتی کا سارا انتظام بھی باپ کے ذمہ ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جہیز کا کوئی تصور نہیں ہے۔ کتب حدیث اور فقہی کتب میں شادی کی معمولی معمولی باتوں کے بارے میں فقہاء نے مستقل ابواب باندھے ہیں۔ حتیٰ کہ ولیمہ کے بارے میں بھی احکام الٰہی موجود ہیں۔ دلہا دلہن کے

> علم وفن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں (محدث ابوزرعہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارے میں ہمیں چھوٹی سے چھوٹی تفصیل تک ملتی ہے، لیکن جہیز کے بارے میں اسلام بالکل خاموش ہے۔ اس لئے شرع میں جہیز کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ یہ لوگوں کا اپنا اختیاری فعل ہے۔ لیکن یہ تعلیمات اسلامی ہی کا اعجاز ہے کہ والدین اپنی بیٹی کو گھر سے رخصت کرتے وقت خالی ہاتھ نہیں بھیجتے۔ جہیز باپ کی طرف سے بیٹی کے لئے ایک تحفہ ہے جو استطاعت کے اندر ہو تو بالکل جائز ہے۔

بعض لوگ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کی مثال دیتے ہیں۔ حالانکہ اصل صورت یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ جب یہ خیال آیا کہ شادی کے بعد خاندانی ضروریات کے تحت الگ بندوبست کی ضرورت پڑے گی تو رسول اللہ نے گھریلو استعمال کی چند چیزیں دلہا دلہن کو دے دیں۔ اس کے علاوہ جہیز کی کوئی مثال نہ ازواج مطہرات کے ضمن میں ہے، نہ آپ کی دوسری صاحبزادیوں کے بارے میں، اور نہ اس کی کوئی اور مثال اس دور کی معاشرت میں سے ہمیں ملتی ہے۔

موجودہ دور میں جہیز دینا والدین کا خود اختیاری امر ہے جو جائز وسائل کے اندر رہتے ہوئے بغیر فریق مخالف کے مطالبہ پر دیا جائے تو اس میں بظاہر کوئی قباحت نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اس کے باعث معاشرے میں دوسری عورتوں کی شادیوں پر برا اثر پڑتا ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ والدین خاموشی سے بغیر کسی کو بتائے مناسب رقم اپنی بیٹی کے حوالے کر دیں تا کہ دوسرے بطور مثال بیان نہ کر سکیں۔

جہیز کو شادی کے عمل سے نکال بھی دیا جائے تب بھی شادی کے دوسرے تمام اخراجات لڑکی کے والد ہی کے ذمہ ہیں اور والد نہ ہو تو اس کا سرپرست ان اخراجات کا ذمہ دار ہے۔ دوسری طرف لڑکے کی شادی کے جملہ اخراجات خود لڑکے کے ذمہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایسے مواقع پر اس کا باپ یا بھائی بھی مالی مدد کریں لیکن اصلاً وہ خود ہی ذمہ دار ہوتا ہے۔

اسلامی معاشرے میں عورت کو جو تحفظات حاصل ہیں۔ یہ ان میں سے چند مثالیں بیان کی گئی ہیں ورنہ اسلامی تعلیمات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو عورت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑی ہی نرم و نازک اور لطیف دنیا کا تصور دیا ہے۔ اس کو مردوں کی نظروں سے بچانے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو یہاں تک حکم دیا کہ جہاد میں دشمن سے جنگ کرتے وقت بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے باز رہیں۔ (۹)

عورت کو مال رکھنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا مرد کو۔ اس کی جان اتنی ہی محترم ہے جتنی مرد

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی۔ اس کی عزت نفس بھی اتنی ہی قیمتی ہے جتنی کسی بھی مرد کی ہوسکتی ہے۔ تعلیم حاصل کرنا جتنا مرد پر واجب ہے، اتنا ہی عورت کے لئے ضروری ہے۔ کھیل کود میں شمولیت، فنونِ لطیفہ کا ذوق، تحریر وتقریر کی آزادی، یہ سب عورت کے لئے اسی طرح جائز ہیں جس قدر مرد کے لئے جائز ہیں بشرطیکہ اسلامی حدود و قیود کا خیال رکھا جائے۔

البتہ جہاں بحیثیت بیٹی، وہ اپنے باپ اور بحیثیت بیوی، اپنے شوہر کے احکام بجالانے کی پابند ہے، وہاں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس کے باپ اور شوہر نے اس کی ساری زندگی کی ذمہ داری بھی تو اٹھا رکھی ہے۔ وہی اس کے افعال کے ذمہ دار ہیں۔ یہ بالکل ایک موٹی سی بات ہے جو زیادہ منطقی دلائل کا تقاضا نہیں کرتی۔

جدید عورت کے دو اہم مسائل:

یوں تو جدید تہذیب نے مساوی حقوق کے دل کش نعرے کے فریب میں عورت کو مسائل کے سوا کچھ بھی نہیں دیا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ بہت سے مسلمان ملکوں کی عورت ابھی تک کئی جدید مسائل سے محفوظ ہے۔ لیکن سیلاب بلا کے آگے اگر بند نہ باندھا گیا تو خطرہ ہے کہ اسلامی معاشرے پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ ان بہت سے مسائل میں صرف دو مسائل کا تذکرہ پیش نظر ہے جن سے پاکستان کی عورت دوچار ہے۔

وراثت میں حصہ نہ ملنا:

باپ، شوہر، بیٹے، بھائی اور دوسرے رشتہ داروں کی موت پر میت کے ترکے میں سے عورت کا حصہ ثابت ہے۔ اس کیلئے مقرر کیا گیا حصہ شرعاً اسے ملنا چاہئے۔ ملکی قانون کے تحت بھی اس کا یہ حق تسلیم شدہ ہے لیکن کیا اس تسلیم شدہ شرعی اور قانونی حق کا حقدار تک پہنچانے کا کوئی بندوبست بھی موجود ہے؟ بلکہ عورت اور عورت کے حقوق کے لئے لڑنے والی انجمنوں کے عہدے داروں کو تو محض اتنا ہی پتا ہے کہ عورت صرف باپ کی وراثت میں حصہ پا سکتی ہے اور چونکہ یہ حصہ بھائی کے مقابلے میں نصف ہے جو مساوات کے اصولوں کے منافی ہے اس لئے اس معاملے میں نعوذ باللہ برابری ہونی چاہئے۔

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالانکہ عورت کا اصل مسئلہ یہ نہیں کہ اس کے حقوق کے لئے الفاظ کی جنگ لڑی جائے جس کا حاصل کچھ نہ ہو بلکہ اصل مسئلہ میت کے ترکے کی بروقت اور منصفانہ تقسیم ہے۔ جس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں کرتا۔ کہیں بہت ہی پرکشش جائیداد ہونے کی صورت میں عورت طویل اور اعصاب شکن مقدمہ بازی کے ذریعے کچھ حاصل کرلے تو کرلے۔ اس کے علاوہ وطن عزیز میں ایسا کوئی بندوبست نہیں ہے کہ میت کے دفن ہونے کے بعد مناسب وقت کے اندر اندر ورثاء کو ان کے حقوق مانگے بغیر ہی مل جائیں۔ کبھی کسی کا دھیان اس طرف نہیں گیا کہ عورت کو جس قدر حق شریعت و قانون نے دیا ہے وہ تو اسے ملے۔ اس معاملے میں عورت کے حقوق کا تحفظ ان کے مرد رشتہ دار بھی نہیں کرتے بلکہ غاصب بن کر اپنے گناہوں میں مسلسل اضافہ کرتے ہیں اور عورت کے مطالبہ کرنے پر دوسروں کے کمائے ہوئے قیمتی مال پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ دوسری طرف خواتین کی انجمنوں کا حال بھی کچھ بہتر نہیں ہے۔ ان میں سے بہت سی تو اپنے مخصوص مقاصد کے لئے قائم ہوتی ہیں جن کے دائرے میں اس طرح کے مسائل سرے سے آتے ہی نہیں ہیں۔ کئی انجمنیں ایسی ہیں جن کے عہدے داروں کا مطمح نظر شعائر اسلام کی تضحیک کرنا ہے۔ انہیں بس پتا چلنا چاہئے کہ اسلام میں عورت کا میراث میں نصف حصہ ہے۔ پھر وہ یہ نہیں سوچیں گی کہ کسی طرح یہ نصف حصہ ہی عورت کو مل جائے۔ وہ یہ نہیں سوچتیں کہ ایسا نظام وضع کیا جائے کہ عورتیں عدالتوں میں جانے سے قبل ہی وہ نصف حصہ حاصل کرسکیں جو مقدمہ بازی پر خرچ ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ ایسی عہدے داران بھی ان مسائل میں سے ہیں، جن سے بھولی بھالی عورتیں دوچار ہیں، تو بے جا نہ ہوگا۔

ناروا ذمہ داریاں:

اس بیسویں صدی میں کرۂ ارض کے بہت بڑے حصے میں عورت کے ساتھ ایک اور بڑا ظلم یہ ہو رہا ہے کہ اسے بڑی خوبصورت اصطلاحات، تراکیب اور سبز باغ کے پردے میں فطرت سے ہٹا کر ان کاموں پر بڑی خوبصورتی سے لگا دیا گیا ہے، جو خالصتاً مردوں کے لئے ہیں۔ اسلام عورت کو محنت و مشقت اور کام کاج سے منع نہیں کرتا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ چکی پیستے پیستے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں میں گٹے پڑ جایا کرتے تھے۔ لیکن اسلام اس بات کی بھی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ وہ بس چلانے جیسے پر مشقت کام اس لئے کریں کہ انہیں معاشی ذلتوں کو کم کرنا

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جیسا کہ کئی یورپی ملکوں میں ہوتا ہے۔ اسلام اسے شوہر کی جانب سے سونے چاندی کے زیورات مہیا کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ لیکن کسی فرم کے مختار کل کی پرائیویٹ سیکرٹری بن کر اس کی دلبستگی کا سامان فراہم کرنے کی بجائے عورت کو شوہر کی توجہ کا مرکز بناتا ہے۔ اسلام قطعاً منع نہیں کرتا کہ عورت نرسنگ جیسا مقدس پیشہ اختیار نہ کرے لیکن اسلام یہ اجازت بھی نہیں دیتا کہ وہ ہسپتال میں مرد نامحرموں کا علاج کرتی پھرے اور بستر پر لباس تبدیل کرنے میں اس کی معاونت کرے۔ کسی کنبے کے پاس بے شمار مال و دولت ہو، اس کے پاس ذاتی طیارے ہوں اور اس کے مرد اس قابل ہوں کہ اپنی عورتوں کو طیارہ اڑانے کی تربیت دے سکیں تو اسلام اس سے قطعاً منع نہیں کرتا لیکن محض مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کے شوق میں عورت کا طیارہ اڑانا اسلام کو پسند نہیں ہے۔

اس دور میں عورت کو بالغ ہونے پر گھر، شوہر اور بچوں جیسی نعمت مہیا کرنے کے بجائے ہوٹلوں اور طیاروں میں خدمت گار بنا ڈالا گیا۔ گھروں سے نکال کر دفتروں میں لا بٹھایا گیا جس کے ذمہ دار مرد ہیں جو عورت سے متعلق اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتے۔

عورتوں کے کام کرنے کے بارے میں اور عورت کی ''آزادی'' کے مدعی ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر عورتوں کو کام نہ کرنے دیا جائے تو ملک کی نصف آبادی بیکار رہتی ہے جو معاشی اصولوں کے منافی ہے اور وسائل کا بہت بڑا ضیاع ہے۔

یہ دلیل دو اعتبار سے بالکل اور مطلقاً غلط ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اولاً تو ملک کی مرد آبادی کو روزگار کے مکمل مواقع فراہم کئے جائیں تاوقتیکہ ایک بالغ مرد بھی بے کار باقی نہ رہے۔ کیونکہ مرد پورے کنبے کا کفیل ہوتا ہے، عورت پر کسی کی کفالت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ آج کل شہری زندگی پر نظر دوڑائیے۔ عورتوں کی بہت کم تعداد کسی معاشی جبر کے نتیجے میں ملازمت کرتی ہے ورنہ بالعموم بلند معیار زندگی پیش نظر رہتا ہے۔ اس کے علاوہ جن عورتوں کی بروقت شادیاں نہ ہوں وہ بے کاری سے بچنے کے لئے ملازمت اختیار کر کے بالعموم تاحیات بے کار رہتی ہیں۔ مردوں کے برسر روزگار ہونے سے عورتوں میں بلاوجہ کام کرنے کا رجحان کم ہو جاتا ہے۔ اس طرح تمام مرد آبادی کے برسر روزگار ہو جانے پر اگر ایسی عورتیں بچ جاتی ہیں جو صرف فراغت کے لمحات کو کام میں لانا چاہیں تو ان کو بھی مناسب روزگار دیا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان پیشوں میں بھی عورتوں کو کام کے مواقع فراہم کئے جا سکتے ہیں جہاں محض عورتوں ہی کی ضرورت ہو جیسے عورتوں کی تعلیم، لباس، علاج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معالجے سے متعلق پیشے اور خدمات۔ رہی ان آسودہ حال خاندانوں کی عورتیں جو شوہر کے برسرِ روزگار ہوتے ہوئے اس لئے کام کرنا چاہتی ہوں کہ ان کا معیار زندگی بلند ہو اور وہ ہر سال بے مقصد خریداری اور سیر و تفریح کے لئے جاسکیں تو یہ بے شمار نوجوانوں کو پڑھا لکھا کر بے روزگار رکھنے کے مترادف ہے جو ڈاکا زنی کی طرف مائل کرنے کے لئے ایک قدم ہے۔ ایک ہی ملک میں ایک خاندان آسودگی کی حدوں کو بھی پھاند ڈالے اور اسی دیوار سے متصل گھر میں رہنے والا ایک پڑھا لکھا نوجوان بے روزگار ہو۔ مرد بے روزگار ہوں تو عورتوں کو کام پر لگانا بعید از عقل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عورتوں کو کام پر لگانے والوں کے ذہن میں کام کا تصور خالصتاً معاشی تصورات سے لتھڑا ہوا ہے۔ جس طرح کسی عمارت کے باہر ایک چوکیدار، چوکیداری کر رہا ہو تو طبیعات کے علماء کے نزدیک وہ کوئی کام نہیں کر رہا۔ جب کہ علمائے اقتصادیات کا کہنا ہے کہ وہ کام پر ہے۔ اسی طرح عورت کے معاملے میں بھی عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ بچوں کی پرورش، تعلیم و تربیت، گھر کی نگرانی، گھر کے کام کاج، اعزہ و اقارب سے میل ملاقات، خاندان میں رشتے وغیرہ طے کرانا، شادی بیاہ کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا، شوہر کی ضروریات کا خیال رکھنا، گھر کا انتظام، یہ گویا کام کاج نہیں ہیں۔ اس نامعقول خیال کی وجہ یہ ہے کہ ایسا سوچنے والوں کے تصورات میں کام کے معنی وہی ہیں جو مادیت پرستی کے تصور سے پھوٹتے ہیں اور جس کے بدلے میں ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو کچھ نوٹ مل جائیں۔ حالانکہ عورت جو فرائض گھر پر رہ کر سرانجام دیتی ہے وہ سب کام کی تعریف میں آتے ہیں ان کے نتائج یقیناً مہینے بعد اجرت کی صورت میں سامنے نہیں آتے۔ بلکہ یہ سب کام معاشرے کو اپنے محور پر رکھتے ہیں۔ انہی کی وجہ سے اسلامی معاشرہ متوازن رہتا ہے جس کی اپنی ایک قیمت ہے۔

مزید مطالعہ کیلئے:

اس باب میں ہم نے ایک اسلامی معاشرے میں قرآن وسنت کے حوالے سے عورت کے درست ترین مقام کی نشاندہی کی ہے۔ تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرنے کے خواہش مند حضرات کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید ہوسکتا ہے۔

۱۔ اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام، امین احسن اصلاحی، مطبوعہ لاہور۔

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد ☆ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ پردہ، ابوالاعلیٰ مودودی، مطبوعہ لاہور۔

۳۔ اسلام کا نظام عفت وعصمت، مولانا محمد ظفیر الدین، مطبوعہ کراچی۔

۴۔ مفید الوارثین، مولانا سید میاں اصغر حسین، مطبوعہ لاہور۔

۵۔ تقسیم میراث، سید شوکت علی، مطبوعہ لاہور۔

۶۔ اسلام میں عورت کے حقوق، سید جلال الدین عمری، مطبوعہ لاہور۔

۷۔ اسلام کا معاشرتی نظام، محمد بن علوی، مطبوعہ لاہور۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوں اور انہیں نبھانے کی توفیق حاصل ہو تاکہ اسلامی معاشرے میں سے فساد ختم ہو۔ آمین

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابن ماجہ: ''السنن''، باب برالوالدین، یہ حدیث ''بخاری شریف'' کی دوسری کتب میں بھی ملتی ہے۔

۲۔ نسائی: ''السنن''، کتاب الجہاد۔ یہ حدیث سیوطی نے خطیب بغدادی کے حوالے سے الجامع الصغیر میں بھی روایت کی ہے۔

۳۔ مسلم: الصحیح کتاب البر والصلہ والادب۔

۴۔ مسلم: حوالہ ایضاً۔

۵۔ ترمذی: الجامع، ابواب البر والصلہ۔

۶۔ بخاری: الجامع الصحیح، کتاب النکاح۔

۷۔ بخاری: کتاب الجہاد والسیر۔

۸۔ نووی: ریاض الصالحین، باب تحریم سفر المراۃ وحدھا۔

۹۔ بخاری: کتاب الجہاد والسیر، باب قتل النساء فی الحرب۔

ای میل fikheislami@yahoo.co.uk
ای میل: fikheislami@yahoo.co.uk

☆☆☆ اتحاد امت وقت کی اہم ضرورت ہے ☆☆☆

© rasailojaraid.com